www.KitaboSunnat.com

اعجاز القرآن

مولانا محمد رمضان سلفی☆

علم القراءات اور قواعدِ نحویہ

قرآن کریم وہ معجزہ کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے آخری پیغمبر حضرت محمدﷺ پر نازل فرمایا ہے، اگر اللہ رب العزت چاہتا تو قرآن کریم کو بنی بنائی اور سلی سلائی کتاب کی صورت میں یکبار بھی اُتار سکتا تھا، تاکہ ہر شخص جیسے چاہتا اسے پڑھ لیتا اور اسے اس سے جو سمجھ آتا اسے مراد اِلٰہی جان کر اس پر عمل پیرا ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل وخرد سے نوازا ہے اور فہم وفراست اور عقل و دانش کے میدان میں کچھ لوگ ایسے بھی گذرے ہیں جو بڑے عالی دماغ اور بال کی کھال اُتارنے والے تھے وہ چاہتے تو قرآن کریم کو اپنی تاویل کی عینک سے وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھال سکتے تھے، اور ہر دور کے لوگوں کو ان کی مرضی کے مطابق قرآنی مفاہیم ومطالب مہیا کر سکتے تھے۔

لیکن اللہ علام الغیوب نے ایسا نہیں کیا کہ قرآن کریم کے مفاہیم ومطالب کو اہل عقل وشعور کی فہم وفراست پر چھوڑ دیا ہو، بلکہ نزول قرآن کے لئے اَیسے رسول کا اِنتخاب فرمایا ہے جسے خاتم النبیین کے منصب پر فائز کیا اور تعلیم کتاب کی ذِمہ داری آپ کے سپرد فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی الفاظ الٰہی سے مراد الٰہی کو قیامت تک آنے والے اِنسانوں کے لئے واضح کردے، یوں کتاب الٰہی اہل عقل کی مختلف تعبیرات سے بازیچۂ اَطفال بننے سے محفوظ ہو جائے، اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۝ ﴾ [النحل:۴۴]

’’(اے نبیﷺ!) ہم نے آپ کی طرف اس نصیحت نامہ کو اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے ان کی طرف نازل کردہ کتاب کی وضاحت کریں۔‘‘

اور کتاب وحکمت کی تعلیم کا فریضہ صاحب قرآنﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ءَايٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ...... ۝ ﴾ [آل عمران:۱۶۴]

’’اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر اِحسان فرمایا جبکہ ان میں اپنا رسول ان میں سے ہی بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتا اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں حکمت سے مراد بقول اِمام شافعیؒ حدیث وسنت ہے۔[الرسالہ:۱]

تلاوت آیات اور تعلیم کتاب قرآنی مفاہیم ومعارف کی وضاحت وصراحت کو شامل ہے۔ ایسے ہی قراءاتِ سبعہ وعشرہ کی تعلیم وتلاوت بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ ائمہ قراء جن قراءات سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں وہ سب رسول اللہﷺ سے ثابت ہیں، اور ان قراءات اور لہجات کی وجہ عرب کے مختلف قبائل تھے جیسے قریش، بنو ہذیل، بنو ثقیف، ہوازن، کنانہ اور بنو تمیم اور بنو اَسد وغیرہ۔ ان میں سے ہر قبیلہ کا لہجہ اور قراءت قرآن کریم کے بعض کلمات دوسرے قبائل سے مختلف تھے اور رسول کریمﷺ کے کاتبین وحی بھی کسی ایک قبیلہ سے تعلق نہ رکھتے تھے، بلکہ

☆ نائب شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ پر نازل ہونے والی وحی کے لکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق مختلف قبائل سے تھا اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی قراءت اور لہجہ پر قرآن کریم کو پڑھنے کی اِجازت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعۂ وحی عنایت فرمائی تھی۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَقْرَأَنِي جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِي حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ» . [صحيح البخاري مع الفتح:۴۹۹۱]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک قراءت پر قرآن کریم پڑھایا میں نے ان سے اس بارہ مراجعت کی اور ان سے (اپنی اُمت کی آسانی کی خاطر) قراءات قرآن میں اِضافے کا مطالبہ کرتا رہا یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سات قراءات تک پڑھنے کی اِجازت دے دی۔''

مذکورہ قبائل میں سے ہر ایک کو اگر ایک ہی لغت پر پڑھنے کا پابند بنا دیا جاتا اور جس قراءت کا وہ عادی ہے اس پر قراءت کرنے سے اُسے روک دیا جاتا تو یہ اس کے لئے مشکل اور دشوار ہوتا، اور قراءات کا یہ اختلاف ایسا نہیں جس سے حلال وحرام پر اَثر پڑتا ہو یعنی ایک قراءت سے ایک چیز حلال قرار پاتی ہو اور دوسری قراءت سے حرام بن جاتی ہو ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ اختلاف اِمالہ کرنے نہ کرنے، کسی حرف کو پُر کرنے یا باریک پڑھنے یا ایک حرف کو تشدید کے ساتھ پڑھنے یا تخفیف سے پڑھنے کے متعلق تھا، جس میں لفظی تغیر کے باوجود معنی ایک ہی رہتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اَخذ کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مختلف تھے۔ بعض وہ تھے جنہوں نے ایک حرف پر آپ سے قرآن کریم کو اَخذ کیا تھا، بعض نے دو حرفوں پر اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے زائد حرفوں پر آپ سے قرآن کریم سیکھا تھا اور وہ اس طرح مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری تحویل میں مختلف مصاحف نقل کروا کر متعدد اِسلامی ملکوں اور شہروں میں بھیجے تو ہر مصحف کے ساتھ اس صحابی کو بھی مبلغ بنا کر بھیجا جس کی قراءت اس ملک یا شہر کی قراءت کے موافق تھی۔ اس طرح تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کی قراءات اسی طرح مشہور ائمہ قراء تک پہنچیں، جنہوں نے اپنے آپ کو فن قراءت کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

قواعد عربیہ قراءات قرآن کے تابع ہیں

بعض متنورین (روشن خیال طبقہ) جو علم القراءات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ علم نحو وصرف کے قواعد پر قرآنی قراءتوں پر حاکم بنا دیتے ہیں اور ان کے خیال میں جو قراءت نحو وصرف کے قواعد کے خلاف ہو، اسے یہ کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں کہ یہ قواعد عربیت کے خلاف ہے، اور یہ بہت بڑی جسارت ہے کہ غیر قرآن کو قرآن کریم پر حاکم بنا دیا جائے، اور وحی پر مبنی قراءات کی صحت وسقم کا فیصلہ ایسے علوم سے کیا جائے جو سراسر اِنسانی سعی وکاوش کا نتیجہ ہیں، جبکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض یہ بنتا ہے کہ قواعد لغت کی تصحیح قراءاتِ قرآنیہ سے کریں، اس کے برعکس قراءات کی تصحیح قواعدِ عربیت سے کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ قواعدِ لغت کا انحصار قراءاتِ قرآنیہ اور نصوص سنت پر ہے، اور قراءات کا دارومدار سماع پر ہے اِجتہاد و اِستنباط پر نہیں، متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قراءات کا سماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، اور ان سے تابعین رحمہم اللہ نے اَخذ کیا، اور تبع تابعین رحمہم اللہ تک ہوتا ہوا یہ علم ائمہ قراء تک پہنچا اور انہوں نے اسے آگے روایت کیا۔ لہٰذا علم قراءات کے سلسلہ میں ائمہ لغت یا علماءِ نحو کی تقلید نہیں کی جاسکتی،

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لئے کہ اس فن کا تمام تر دارومدار رسول اللہ ﷺ سے سماع پر ہے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”القراءة سنة متبعة أن يأخذها الآخر عن الأول .“ [السنن الكبرى للبيهقي:۳۸۵]

یعنی ”فن قراءت لائق اتباع ایسی سنت نبویہ ہے جسے بعد میں آنے والا اپنے پیشرو سے اَخذ کرتا ہے۔“

یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ قراءِ کرام کی قراءات کا دارومدار نحوی قواعد یا فقہی مسائل کی طرح اجتہاد اور قیاس واستنباط پر نہیں ہے بلکہ قراءاتِ قرآن صرف رسول اکرم ﷺ سے سماع پر موقوف ہے ہیں۔

◉ امام قرطبی رحمہ اللہ، قشیری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”القراءات التي قرء بها أئمة القرآء ثبتت عن النبي ﷺ تواترا يعرفه أهل الصنعة وإذا ثبت شيء عن النبي ﷺ فمن رد ذلك فقد رد على النبي ﷺ واستقبح ما قرء به .“ [الجامع لأحكام القرآن: ۱۵۷/۳/۴]

”یعنی قرآن کریم کے قاریوں کی قراءات نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جیسے فن قرءات کے علماء بخوبی جانتے ہیں، کسی قراءت کے نبی کریم ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنے والا نبی کریم ﷺ پر انکار کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ اس چیز کو قبیح سمجھتا ہے جسے نبی کریم ﷺ نے شرفِ قراءت بخشا ہے۔“

وہ مزید فرماتے ہیں:

”وهذا مقام محذور ولا يقلد فيه آئمة اللغة والنحو فإن العربية تتلقى من النبي ﷺ ولا يشك أحد في فصاحته .“ [المرجع السابق]

”یعنی قراءاتِ قرآن کا مقام بڑا نازک ہے، جس میں اہل لغت اور نحویوں کی تقلید نہیں کی جاسکتی، کیونکہ لغتِ عربیہ بھی رسول کریم ﷺ سے ہی لی جائے گی، اور آپ کی فصاحت وبلاغت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔“

◉ شیخ عبدالعظیم زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فإن علماء النحو إنما استمدوا قواعده من كتاب الله تعالىٰ وكلام رسوله وكلام العرب فإذا ثبتت قرآنية القرآن بالرواية المقبولة كان القرآن هو الحكم على علماء النحو وما قعدوا من قواعد ووجب أن يراجعوهم بقواعدهم إليه، لا أن نرجع نحن بالقرآن إلى قواعدهم المخالفة نحكمها فيه وإلا كان ذلك عكسا للاية وإهمالا للأصل في وجوب الرعاية۔“ [مناهل العرفان:۴۲۲/۱]

”علماء نحو نے اپنے نحوی قاعدے قرآن کریم، کلام رسول (حدیث نبوی ﷺ) اور کلام عرب سے حاصل کئے ہیں۔ لہٰذا جب معتبر اور مقبول روایت کے ساتھ قرآن کی قرآنیت ثابت ہوجائے تو وہی علماء نحو بنائے ہوئے قواعد کا فیصلہ کرے گی۔ اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قواعد کی تصحیح کے لئے کلام اللہ (قرآن کریم) کی طرف رجوع کریں، یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے بعض خلافِ قرآن بنائے ہوئے قواعد کو قرآن کریم پر حاکم بنا دیا جائے، ورنہ اس طرز عمل سے اس اصول کا ترک لازم آئے گا جس کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور یہ آیت قرآنی کے خلاف ہوگا۔“

عقل وقیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ قراءات کو قواعد عربیہ پر حاکم بنایا جائے اور قراءات کے ذریعہ سے قواعد کی صحت وسقم کا فیصلہ کیا جائے، کیونکہ قرآن وسنت قواعد عربیہ کے لئے اصل اور مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ قواعد نحویہ قراءاتِ قرآن سے اَخذ کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورة غافر آیت ﴿ لَعَلِّىٓ أَبْلُغُ الْأَسْبَٰبَ ۝ أَسْبَٰبَ السَّمَٰوَٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰٓ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلٰهِ مُوْسٰى ﴾ [سورۃ غافر:۳۶،۳۷] میں 'فَأَطَّلِعَ' کو حفص کی قراءت میں منصوب پڑھا گیا ہے اور اس سے نحاۃ نے یہ قاعدہ اَخذ کیا ہے۔

قاعدہ

تمنی یا ترجی کے جواب میں فعل مضارع پر فا آجائے تو اس فا کے بعد 'أن' مصدریہ مقدر ہوتا ہے جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے۔

جبکہ حفص رحمہ اللہ کے علاوہ باقی قراءِ کرام فا کو عاطفہ بناتے ہیں اور 'أبلغ' پر عطف ڈالتے ہوئے 'فأطَّلِعُ' کو مرفوع پڑھتے ہیں۔

اسی طرح قاری عاصم رحمہ اللہ نے سورۃ عبس کی آیت ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰىٓ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ [سورۃ عبس:۳،۴] میں 'فَتَنْفَعَهُ' منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس میں مضارع پر فا 'لعل' کے جواب میں ہے، اور یہاں بھی فعل مضارع پر فا کے بعد 'أن' ناصبہ مقدر ہے۔

جبکہ عاصم رحمہ اللہ کے علاوہ باقی قراء نے 'یزکی' پر عطف ڈالتے ہوئے 'فَتَنْفَعُهُ' کو مرفوع پڑھا ہے۔

قاعدہ

اسی طرح علماءِ نحو کے ہاں یہ قاعدہ بھی معروف ہے کہ افعال رجحان "ظن ، حسب ، خال اور نعم" کے بعد فعل مضارع پر آنے والا 'أن' ناصبہ بھی ہوسکتا ہے اور مخففہ من المثقلہ بھی، اور دوسری صورت میں فعل کو مرفوع پڑھا جائے گا۔

اور یہ قاعدہ سورۃ المائدہ کی آیت ﴿وَحَسِبُوْٓا أَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [سورۃ المائدہ:۷۱] سے لیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ابوعمرو بن علاء، حمزہ اور الکسائی نے 'تکون' کو رفع سے پڑھا ہے، اور 'أنْ' کو مخففہ من المثقلہ بنایا ہے، جبکہ ان کے علاوہ باقی قراء نے 'تکون' کو نصب سے پڑھا ہے اور 'أن' کو مصدریہ (ناصبہ) بنایا ہے۔

یاد رہے کہ کلام عرب میں 'أن' چار اقسام پر ہے۔

① أن مصدریہ جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے، اور یہ معروف ہے جیسے: "أريد أن تخرج "

② أن مخففہ عن المثقلہ: اور یہ افعال شک ویقین کے بعد آتا ہے جیسے: ﴿ عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى﴾ [المزمل:۲۰]

③ أن تفسیریہ اور یہ ایسے فعل کے بعد آتا ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے: ﴿ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰٓإِبْرٰهِيْمُ ﴾ [الصافات:۱۰۴]

④ أن زائدہ اور یہ تین مقامات میں تاکید کے لئے زائد آتا ہے:

❶ لَمَّا کے بعد جیسے ﴿ فَلَمَّآ أَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ ﴾ [یوسف:۹۶]

❷ قسم اور 'لو' کے درمیان جیسے واللہ أن لو قمتَ قمتُ

❸ کاف جارہ اور اس کے مجرور کے درمیان بھی أن زائدہ آتا ہے جیسے کان ظبية [حجۃ القراءات ابوزرعہ:۲۳۳]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاعدہ

علماء تصریف کے ہاں یہ مشہور قاعدہ ہے کہ ہر کلمہ کو اپنی وقفی صورت پر لکھا جاتا ہے اور اسم منقوص پر وقف کی حالت میں یا کو برقرار رکھنا جائز ہے۔

اور یہ قاعدہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءات سے اَخذ کیا گیا ہے، انہوں نے سورۃ رعد کی آیت ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ [سورۃ الرعد:۷] میں وقف کی صورت میں یا کو برقرار رکھا ہے، جبکہ دیگر قراء اس پر وقف کے وقت یا کو حذف کرنے کے قائل ہیں۔

قاعدہ

ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف حرف جر دہرائے بغیر جائز ہے۔

یہ قاعدہ کوفی نحاۃ کی نزدیک مسلم ہے اور بعض مصری علماء بھی اس کی حمایت کرتے ہیں اور انہوں نے اس کو قرآن کریم میں سورۃ النساء کی آیت ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ ......﴾ [سورۃ النساء:۱] سے اخذ کیا ہے، کیونکہ حمزہ رحمہ اللہ نے 'بہ' کی ضمیر مجرور پر عطف ڈالتے ہوئے 'الأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھا ہے اور حرف جر کا اِعادہ نہیں ہوا۔

لیکن جو علماء ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کو عطف میں حرف جر کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر اِعادہ جار وہ اس عطف کو جائز نہیں سمجھتے، وہ حمزہ قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ قراءت پر تین طرح کے اعتراض کرتے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ اعتراض حسب ذیل ہیں:

① یہ قراءت معنوی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

② 'والأرحام' کی جر کی صورت میں اس پر با مقدر ہوگی جو کہ با قسمیہ ہوگی اور معنی ہوگا ''رشتہ داریوں کی قسم'' اور یہ جائز نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا حرام ہے۔

③ یہ قراءت عربی قاعدے کے خلاف ہے۔

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے، تو یہ جملہ معنوی اعتبار سے بالکل درست ہے، کیونکہ معطوف میں با مقدر ہے جس پر معطوف علیہ کی با دلالت کرتی ہے، لہٰذا یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے 'کیف أصبحت؟' تو اس کے جواب میں کہا جائے 'خیر' را کی جر کے ساتھ اصل میں ہوگا 'بخیر' أي أصبحت بخیر' اور مذکورہ آیت کا معنی ہوگا: ''تساءلون بالأرحام''۔

رہا دوسرا اعتراض تو وہ سرے سے باطل ہے، کیونکہ یہاں با قسمیہ نہیں بلکہ باسببیہ ہے یعنی وہ رشتہ داریاں جن کی وجہ سے تم سوال کرتے ہو، گویا یہ سوال بالرحم کے قبیل سے ہے۔ قسم کے قبیل سے نہیں ہے، اور کسی چیز کے سبب کے ذریعہ سے سوال کرنا اور کسی کی قسم اٹھانا دو مختلف چیزیں ہیں اگر کہا جائے ''باللہ لتفعلن کذا'' تو یہاں با قسمیہ ہے، لیکن اگر کہا جائے ''أسألك باللہ أن تفعل کذا'' تو یہ اللہ کے حق کے واسطے سے سوال ہے، قسم نہیں ہے۔

اور اگر با کو قسمیہ مان بھی لیا جائے تو بھی قسم اٹھانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے، جبکہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے کی ممانعت تو مخلوق کے لئے ہے، مخلوقات میں سے کسی کو اِجازت نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم اٹھائے۔

رہا یہ اعتراض کہ 'الأرحام' کی قراءت جر کے ساتھ ہو تو یہ عربی لغت کے خلاف ہے، کیونکہ ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف حرفِ جر کو معطوف میں دہرانے کے ساتھ صحیح ہوتا ہے، اور آیت مذکورہ میں حرفِ جر کو دوبارہ نہیں لایا گیا، لہٰذا 'والأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھنا اور بغیر اعادہ جار کے اس کا عطف ضمیر مجرور پر ڈالنا عربی قاعدے کے خلاف ہے۔

یہ اعتراض بھی لغو اور باطل ہے، کیونکہ حمزہ رحمہ اللہ کا 'والأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھنا ہی اس قراءت کے لغت عرب کے موافق ہونے کے لئے بطورِ دلیل کافی ہے، وہ لغت عربیہ کے بھی ماہر تھے، اور اس قراءت کو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، گویا یہ قراءت منزل من الله ہے۔ لہٰذا بعض علماءِ لغت کا اس قراءت پر انکار کرنا ویسے ہی مردود ہے جیسے جہمیہ وغیرہ کا نصوصِ صفات کا انکار کرنا مردود ہے، کیونکہ وہ ان کی عقلی قیاس آرائیوں کے خلاف ہیں۔

حقیقی بات یہ ہے کہ ضمیر مجرور پر حرف جر دہرائے بغیر اسم ظاہر کا عطف جائز ہے، اور قراءتِ حمزہ رحمہ اللہ قواعدِ عربیہ کے خلاف نہیں ہے، اس بارہ میں ہم بعض ان نحاۃ کے اَقوال ذکر کرتے ہیں جن کے ہاں عطفِ مذکور مطلقاً جائز ہے۔

علمِ نحو کے مشہور و معروف عالم ابن ہشام رحمہ اللہ ضمیر مجرور پر عطف کے وقت اعادہ حرفِ جر کے عدمِ وجوب کا فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولا يجب ذلك خلافاً لأكثر البصريين .“ [شرح شذور الذهب:۴۴۹]

یعنی اکثر بصریوں کے خلاف عطف مذکور میں حرفِ جر کا دوبارہ لانا، کوئی ضروری نہیں ہے۔

شرح جامی میں ہے:

”وهو الذي ذكرناه أعني لزوم إعادة الجار في حالة السعة والاختيار مذهب البصريين، ويجوز تركها اضطراراً وأجاز الكوفيون ترك الإعادة في حال السعة .“ [شرح جامی:۱۹۶]

”یعنی حرف جر کا دوبارہ لانا بصریوں کے نزدیک ضروری ہے، اگرچہ وہ بھی ضرورت کے وقت اسے لازم نہیں سمجھتے اور اس کے ترک کی اجازت دیتے ہیں، ان کے برعکس سب کوفی نحاۃ کے ہاں ضمیر مجرور پر عطف کے وقت حرفِ جر کا دوبارہ لانا کسی صورت میں بھی ضروری نہیں ہے۔“

ابن مالک رحمہ اللہ جن کی عربی قواعد میں مایہ ناز کتاب الفیہ (جو عربی نظم میں) ہے فرماتے ہیں:

وعود خافض لدي عطف على — ضمير خفض لازماً قد جعلا
وليس عندي لازماً إذ قد أتى — في النثر والنظم الصحيح مثبتاً

[الفیہ:۸۹]

یعنی ضمیر مجرور پر عطف کے وقت حرفِ جر کا اعادہ بصری نحاۃ کی طرف سے ضروری بتا دیا گیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ لازم اور ضروری نہیں کیونکہ یہ عطف اعادہ جار کے بغیر صحیح ثابت نظم و نثر میں مستعمل ہے۔

جبکہ 'المساعد' میں ہے 'والصحيح الجواز مطلقاً' [۴۷۰/۲]

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ عطف بہر صورت جائز ہے خواہ حرف جر دوبارہ لایا جائے یا نہ لایا جائے۔

کوفی نحاۃ نے اپنے مؤقف پر قرآن کریم کی متعدد آیات قرآنیہ سے بھی استدلال کیا ہے جن سے قراءتِ حمزہ رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[البقرۃ:۲۱۷] میں اسم ظاہر کا عطف 'بہ' کی ضمیر مجرور پر ہے اور حرفِ جر دوبارہ نہیں لایا گیا، اسی طرح اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ﴾ [الحجر:۲۰] اس میں 'من' اسم موصول کا 'لکم' کی ضمیر مجرور پر بغیر اِعادہ کے عطف ہے۔ نیز اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ...﴾ [النساء:۱۲۷] اس میں 'ما' موصول کا 'فیهن' کی ضمیر مجرور پر حرف جر دوبارہ لائے بغیر عطف ہے۔

ذکر کردہ چند مثالوں سے یہ بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ قواعد لغت قراءاتِ قرآنیہ سے اَخذ کیے گئے ہیں، اور قراءات ان قواعد سے مقدم ہیں، اس لیے قراءات کو قواعد پر حاکم بنانا اور ان کی صحت وسقم کا فیصلہ قراءات سے کرنا جو قاعدہ ان کے مطابق ہو اسے قبول کرنا اور جو خلاف ہو اس میں ترمیم کر کے قراءتِ قرآن کے موافق بنانا ہی قرین قیاس ہے، اس کے برعکس قواعدِ عربیہ کو قراءات پر حاکم بنا دینا اور قراءات کی صحت وسقم کو قواعد لغت کے تابع بنا دینا تو ایسے ہی ہے جیسے فروع کو اپنے اصول پر حاکم بنا دیا جائے اور یہ درست نہیں بلکہ عدل وانصاف کے اصول کے خلاف ہے۔ لہٰذا قراءات کو قواعد سے پرکھنا بھی علمی دیوالیہ پن کی علامت ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہر علم کے بارہ میں ان علماء کی طرف مراجعت کی جائے گی جنہیں اس علم میں تخصص اور مہارت حاصل ہو مثلاً فن حدیث میں أصحاب الحدیث کی بات ہی معتبر ہوگی، اگر کوئی شخص احادیث پر یا اَحادیث صحیح بخاری پر رائے زنی کرے جو اس فن کا ماہر نہ ہو تو اس کی بات کالعدم سمجھی جائے گی اور اسے کوئی اَہمیت حاصل نہیں ہوگی بنابریں اَحادیث یا صحیح بخاری کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں لائق التفات نہیں ہیں کیونکہ ان کو پرکھنے والے حضرات فن حدیث سے نابلد ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقہ حنفی کے مسائل کے بارہ میں فقہاء حنفیہ کی بات کو جو وزن حاصل ہوگا اس فن کے بارہ میں وہ وزن دوسروں کی بات کو خاص نہیں ہوگا، کیونکہ بعض علماء ایک فن میں ماہر ہوتے ہیں اور دوسرے علمی فنون میں انہیں کوئی دسترس خاص نہیں ہوتی، مثال کے طور پر امام رازی رحمہ اللہ عقلیات کے امام ہیں لیکن اَحادیث وآثار کے میدان میں تہی دامن ہیں اس طرح وکیع رحمہ اللہ اور عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ حدیث وآثار کے امام ہیں لیکن علم طب سے واقفیت نہیں رکھتے، سیبویہ رحمہ اللہ وغیرہ لغت عربیہ کے امام ہیں لیکن فن حدیث کو نہیں جانتے، حفص رحمہ اللہ وحمزہ رحمہ اللہ وغیرہ قراء کرام قراءتِ قرآن کے امام ہیں لیکن علم فقہ کے ماہر نہیں ہیں۔ اس لیے قراءاتِ قرآن کی صحت کے فیصلے کے لئے قراء کرام کی طرف رجوع کیا جائے گا، آئمہ لغت کی طرف نہیں...... کیونکہ یہ ان کا فن نہیں ہے، اسی لیے کہا گیا ہے "لکل مقامٍ مقالٌ ولکل فنٍّ رجالٌ."

اظہارِ معذرت

رُشد قراءت نمبر دوم کے صفحہ ۸۲۴ پر ڈاکٹر قاری محمد طاہر کا نام غلطی سے محمد طاہر قادری شائع ہو گیا ہے جس پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔ [ادارہ]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ